© rasailojaraid.com

پنجاب میں لسانی عصبیت کی نئی لہر

نعیم صدیقی

چند دن پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب نے گھنٹی بجائی، ملاقات ہوئی، کچھ دیر کے لیے وہ بیٹھے، مبادیاتِ کلام کے بعد کہنے لگے کہ کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ مختصر باتوں کے لیے تھوڑا سا وقت ہے۔

فرمایا: آپ پنجابی کیوں نہیں بولتے؟

یہ ایسا ہی سوال تھا جیسے مجھ سے کوئی پوچھے کہ تم لسّی کیوں نہیں پیتے؟ مربہ ہلیلہ کیوں نہیں کھاتے؟ پتلون کیوں نہیں پہنتے؟ دھوڑی کے جوتے میں پاؤں کیوں نہیں رکھتے؟ لکھنے پڑھنے کا کام کیوں کرتے ہو؟ کمہار یا ترکھان کیوں نہیں بن جاتے؟ صدیقی کیوں کہلاتے ہو، بھٹی یا ارائیں کیوں نہیں کہلوانتے؟

عرض کیا: اس لیے کہ میں دن رات پڑھتا اردو میں ہوں، سوچتا اردو میں ہوں، لکھتا اردو میں ہوں، پشاور اور گلگت سے کراچی اور پیر جو گوٹھ تک، زیارت اور مکران سے لے کر کنجروڑ اور کوٹلی تک بولنے والے آتے ہیں، ان سب سے اردو میں بات کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں ان سے پنجابی میں بات کروں تو اُن کے پلے کچھ نہ پڑے گا۔ اور وہ سب اگر اپنی اپنی بولیاں بولیں تو میرے پلّے کچھ نہ پڑے گا۔ اور پھر اردو ہماری قومی زبان ہے جس کا بینر تحریک پاکستان کے علم کے ساتھ بلند ہوا، اردو ایسی زبان ہے جو برصغیر کی مختلف بولیوں پر مسلمانوں کی آمد اور ان کی تہذیب اور عربی فارسی زبانوں کے اثرات پڑنے سے نمودار ہوئی ہے۔ اردو کو پورے برصغیر میں سمجھا جا سکتا ہے اور اردو میں قدیم و جدید سرمایہ علم و ادب برصغیر کی مروج زبانوں میں سے سب سے زیادہ ہے اور اس میں تیز رفتار نشوونما کارفرما ہے۔

یہ سادہ سی بات دو ثانیوں میں ختم ہو جانی چاہیے تھی، مگر ان حضرت نے کچھ ایسے ٹیڑھے انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی باتیں کیں کہ ایک تو مجھے بہت ذہنی بوجھ محسوس ہوا، دوسرے یہ اندیشہ ہوا کہ تخریبی خطرات کی وہی لہر اب مخالفِ اسلام و پاکستان قوتیں یہاں بھی لے آئی ہیں جو پہلے سندھ میں دھیمی دھیمی اُٹھتی رہی اور پھر کراچی میں پہنچ کر تباہی کا طوفان بن گئی۔

اب تک علاقائیت اور نسلیت اور لسانیت کے پاکستان شکن فتنوں کو توڑنے میں پنجاب کی قربانیوں اور اُس کی چٹان جیسی استقامت کو دخل تھا کہ وہ نہلے کے مقابلے میں دہلا ہے کے نہیں اُٹھا تھا، لیکن اب طوفان روکنے والی اس چٹان کو سیلاب اکھیڑ کر بہالے جانا چاہتا ہے۔

تمام زبانیں خدا کی عطا ہیں۔ اختلافِ اَلسِنَہ کو اُس نے نشاناتِ قدرت میں سے شمار کیا ہے۔ تمام زبانیں مجھے اور ہر مسلمان اور انسان کو یکساں عزیز ہونی چاہئیں۔ تمام زبانیں انسانوں کی خادم ہیں اور ان کی ضرورتِ اظہار کو پورا کرتی ہیں۔ ہر زبان سے استفادہ کرنے کے لیے دل کھلے رکھنے چاہئیں۔ مگر دُنیا کے کچھ نظریات اور تحریکوں نے انسانوں کو انسانوں سے لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لیے بارہا زبان کو پہلے سوشل مسئلہ بنایا اور پھر سوشل مسئلے کو سیاسی ہتھیار، اور پھر اس ہتھیار سے ان حقیقتوں کو گھائل کر دیا جو انسانیت کا بچاؤ کرنے والی تھیں اور پھر خود انسانیت کے ہر پیکر کو لہولہو کر دیا۔ لسانی تلواروں نے زمینوں اور ملکوں اور معاشروں کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ سچ ہے کہ الٰہی کلمۂ جامعہ کے علاوہ جتنے بھی داعیہ ہائے اجتماع ہیں وہ درحقیقت انسانوں کو انسانوں سے کاٹتے اور زمین پر تباہی پھیلاتے ہیں۔

ہاں تو پنجابی زبان ایک زبان ہے، بہت اچھی زبان ہے، بڑی آبادی اسے بولتی ہے۔ اس زبان کی ترقی کے لیے ایک معصومانہ مزاج کی تحریک چلی جس کے زیر اثر پنجابی میں افسانے اور غزلیں تک لکھنے کے تجربات ہونے لگے۔ ادبی حلقے سے پوسٹ گریجوایٹ امتحانات کا سلسلہ چلا۔ یہاں تک تو خیر پنجابی زبان کا کوئی سیاسی مسئلہ نہ تھا۔ مگر ادھر کچھ پہلے ایک اجتماع ایسا ہوا جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باہر آنے والی جھلکیوں سے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ اب مسئلۂ زبان کی سیاسی تلوار بننے لگی ہے — حنیف رامے صاحب کی کتاب نے اس مسئلے پر ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ اب پھر ایک تازہ اجتماع ہوا ہے جس میں نثار محی الدین، مسعود ثاقب، ریٹائرڈ کرنل نادر، آصف خاں، سلیم جہانگیر، شاہین ملک، سبط حسن ضیغم، شفقت تنویر مرزا، آفتاب نوید، عین الحق فرید کوٹی، عباس علی، شارب انصاری اور احمد بشیر نے خطاب کیا۔ (مطابق رپورٹ روزنامہ جنگ لاہور۔ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۷ء)۔

اس اجتماع کی کارروائی کی اخباری تلخیص پڑھ کر اندازہ ہوا کہ پنجابی زبان کی سیاسی ہتھیار بنانے والی "واہ فیکٹری" کھل گئی ہے۔ اور اب نہ جانے کن کن مسلمانوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کی گردنیں کٹنے والی ہیں۔ اور گھر اور دکانیں تباہی کا لقمہ بننے والے ہیں۔ (اللہ سب کو بچائے)

اب تخریب کاری کا نارہ لانے والی کسی قوت نے پاکستان کے دل و جگر پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔

مذکرہ اجتماع کی کارروائی سامنے آنے پر روزنامہ وفاق نے پُراضطراب دل کے ساتھ جو نوٹ لکھا۔ اس کی تلخیص درج ذیل ہے:

"پاکستان کے المیوں یا پُراسرار معاملات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صنعت کار (مراد ہیں: نصیر اے شیخ) دانشور، محقق اور مؤرخ بن بیٹھے ہیں۔ اور وہ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت میاں میرؒ، قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ پر فخر کرنے کے بجائے رنجیت سنگھ پر فخر کرتے ہیں"......

"ایک صنعت کار کے دل میں اپنی زبان کا درد اچانک کیوں جاگ اٹھا"........

"ہم دو قومی نظریوں کے ماننے والے ہیں۔ جن لوگوں نے پنجاب کا نام استعمال کرکے لسانی تعصب پیدا کرنے کی ناکام سعی کی ہے، وہ پنجاب کے نمائندے نہیں ہیں۔ ان کا اضطراب ان مجاہدوں کی کامیابیوں کا نتیجہ ہے جو افغانستان میں روسی سامراج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی تعلیمات کے منافی باتیں کہہ رہے ہیں"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب نے اپنا ردِ عمل ایک تقریر میں ظاہر کیا:

"پنجابی پرچار کمیٹی کی جانب سے لاہور میں منعقدہ سیمینار میں مقررین کے خیالات کی بالعموم اور نصیر اے شیخ کے اُن خیالات کی بالخصوص شدید مذمت کی ضرورت ہے جن میں اُنہوں نے محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کو قاتل اور جارح قرار دیا ہے۔ سیکولر اور لادین عناصر ملتِ مسلمہ کی یک جہتی کو خاک میں ملانے کے لیے علاقائی، لسانی اور نسلی تعصبات کو بھڑکانے میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ ہمارے محسنوں کو قاتل بنا کر رکھ دیا ہے۔ احمد شاہ ابدالی اور محمود غزنوی نے مسلمانانِ ہند کو کفار و مشرکین کی غلامی سے نکال کر حقیقی آزادی سے بہرہ مند کیا تھا........ ان خیالات کے حامل افراد ملک کے باقی صوبوں میں پھیلے ہوئے نسلی اور لسانی تعصبات کو پنجاب میں بھی پھیلانا چاہتے ہیں........ اہلِ پنجاب ہمیشہ مملکتِ خداداد میں وحدتِ ملی اور یک جہتی کی مثال رہے ہیں اور آئندہ بھی وہ پنجابی اور غیر پنجابی کے تعصب کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔"

اب کچھ تاثرات اور جوابی دلائل مجھے بھی عرض کرنے ہیں:

نصیر اے شیخ صاحب جس پنجابی پرچار کمیٹی کے سیمینار کی بارات کے دولہا تھے، اول تو مجھے ان سے پوچھنا ہے کہ شرکا کے اسمائے گرامی میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کو علمی، دینی اور اخلاقی لحاظ سے کوئی مقام حاصل ہو۔ اور نہ انہوں نے خدا و رسولؐ تو کیا، قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ سے کوئی تعلق ظاہر کیا۔ ایسی خود رو شخصیتوں کو جن کا تعلق ہمارے عقائد و تہذیب کی سرزمین سے نہ ہو، ہم کیسے یہ حق دے دیں کہ وہ ہماری زندگی کی کسی بھی درجے میں نمائندگی کریں یا ہمیں درسِ ہدایت دیں۔

ان لوگوں کے چھوٹے پن کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف ہمارے اکابرِ تاریخ سے قطع تعلق کا اظہار کیا بلکہ ان کو گالیاں تک دیں، یعنی قاتل اور جارح کے خطاب دیے۔ گویا کسی عدالت یا کمیشن کا اجلاس تھا جو تاریخ کے تمام معاملات پر فیصلہ دینے کے لیے بیٹھی تھی۔

میں تو نصیر اے شیخ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا وہ صاف ظاہر کر دیں گے کہ ان میں کمیونسٹ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوشلسٹ، سیکولرسٹ اور قادیانی (ظاہری قادیانی بھی اور مخفی قادیانی بھی)، کون کون تھا — اور کیا کوئی ایسا شخص بھی تھا جو یہ سب کچھ نہ ہو؟

رنجیت سنگھ کی حکومت پر فخر ہے، کیونکہ یہ حکومت "پنجابی" تھی۔ یعنی کل بھی اگر کوئی پنجابی برادری یا پنجابی جاگیرداروں یا پنجابی تخریب کاروں یا اسلام کے پنجابی دشمنوں کا کوئی گروہ یہاں حکمران ہو کر خوب ظلم و استبداد ڈھائے تو اس کی حکومت قابلِ فخر ہوگی۔ شاید نصیر اے شیخ اور ان کے پنجابیت پرست تخریبی نقارچیوں کے یاد نہیں کہ بادشاہی مسجد پر کیا گزری۔ اور عوام میں "سکھا شاہی" کی اصطلاح کیوں اتنی مقبول ہوئی کہ آج بھی محاورہ و تمثیل کے طور پر بولی سمجھی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ اصطلاح دلی و لکھنو میں اردو نے نہیں بنائی، یہ پنجاب ہی میں وضع ہوئی۔

نصیر اے شیخ صاحب کو معلوم ہے کہ دینِ پنجابیت کے صنمیاتِ شخصیات میں رنجیت سنگھ[۱] کے ساتھ دلا بھٹی اور مرزا غلام احمد قادیانی بھی دوش بدوش ہیں۔ یہ ہیں پنجاب کے روشن ستارے۔

آپ اپنے ستاروں کو چومیں یا سجدہ کریں، سوال یہ ہے کہ دوسروں کی تاریخی شخصیتوں پہ کیچڑ اچھالنے والے آپ کون ہوتے ہیں۔ یہاں کی تاریخ اگر آپ نے پڑھی ہوتی تو آپ کو معلوم ہوتا کہ مسلمانوں پہ ہندوؤں، برہمنوں اور مرہٹوں کی جبریتوں اور سازشوں کے تحت کیا مصیبتیں درپیش تھیں۔ جن سے ان کو نکالنے کے لیے احمد شاہ ابدالی اور دوسروں نے حملے کیے۔ محمود غزنوی قرامطہ اور ملاحدہ کے تعاقب میں ہندوستان آیا اور ہندوؤں کی پناہ سے ان کو نکالا، کیونکہ وہ پوری ملتِ اسلامیہ کے مجرم تھے اور ان کے گروہ نے بے شمار علمائے حق کو دھوکے اور خفیہ طریقوں سے قتل کرایا تھا۔ یہاں پہنچ کر جب خود یہاں کے ستائے اور پسے ہوئے ہندوؤں ہی سے اسے معلوم ہوا کہ سومنات نہ صرف ہندوؤں کے جنگی جنون کا مرکز بنا ہوا اور ملاحدہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، بلکہ برہمنوں اور پروہتوں اور پجاریوں نے لوگوں سے مورتیوں کے چڑھاوؤں کی شکل میں انباروں دولت جمع کر رکھی ہے۔ یہ دولت نہ صرف ظالم قوتوں نے گائے جیسے مظلوم و مسکین عقیدت مندوں کے تھنوں سے نچوڑی تھی، بلکہ اس کا ایک مصرف جہاں ان کے ذاتی عیش و آرام

---

[۱] جب آپ رنجیت سنگھ کا جھنڈا اٹھائیں گے تو سید احمد شہید اور اسمٰعیل شہید کا کیا مقام ہوگا؟ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تکمیل تھا۔ دوسرا مقصد مسلمانوں کے خلاف اس دولت کی قوت کو استعمال کر کے انہیں تباہ کرنا بھی تھا۔

ایسے گھمن چکر کو محمود غزنوی نے توڑ کر ہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں کو بچانے کا فرض ادا کیا۔ نیز ہندوؤں کے اکابر بت پرستانہ نظام کے ذریعے اندھا دھند جو کمائیاں عوام سے نچوڑ کر جمع کر چکے تھے۔ ان سے مذہبی رسہ گیروں کو محروم کیا۔ ورنہ اس نے اپنی ذاتی مفاد کے لیے نہ تو فوجی اقدام ہی کیا تھا اور نہ سومنات کی طلسم شکنی کا کام۔

آپ اسے لٹیروں میں شامل کرتے ہیں، تو پھر یہاں کے برہمن اور پروہت اور پجاری اور ان سے تال میل رکھنے والے راجا لوگ لٹیرے اور قاتل نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے خادم اور سب سے آفاقی محبت رکھنے والے تھے۔ غالباً رنجیت سنگھ اور ڈالمیا اور مرزا غلام احمد قادیانی بھی بڑے مسکین اور ایثار کیش خادمانِ انسانیت کی مثلث تھی۔

سندھ میں آواز اٹھتی ہے (بہت پہلے) کہ محمد بن قاسم لٹیرا تھا — جس نے برہمنوں اور راجاؤں کے دو پاٹوں میں پستے ہوئے عوام کو پہلی بار آزادی اور رشد و ہدایت کی راہ دکھائی تھی۔ اب ادھر پنجاب سے آواز اٹھتی ہے کہ احمد شاہ ابدالی اور محمود غزنوی لٹیرے اور قاتل تھے۔ کیا ان آوازوں میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ سندھ کا لسان پرست اور پنجاب کا لسان پرست آپس میں بھائی بھائی ہیں جس طرح سندھ کا تخریب کار اور پنجاب کا تخریب کار بھائی بھائی ہیں۔ سندھ کا عملی مسلمان اور پنجاب کا عملی مسلمان ایک ہیں۔ سندھ کا مذہب دشمن اور پنجاب کا مذہب دشمن ایک ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اجتماع اور یکتا اور نوعیت زبان سے نہیں، طرزِ فکر سے بنتی ہے۔

بہر حال نصیر اے شیخ اور ان کے ہم گروہ یہ بتائیں کہ انہوں نے کیسے فرض کر لیا ہے کہ ہماری جو شاخیں چودہ سو سالہ تاریخ میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب کٹ جائیں۔ اور عقائد و اخلاق کی جو جڑیں کتاب و سنت تک پہنچتی ہیں وہ نوچ ڈالی جائیں، دوسرے لفظوں میں ہم اپنی چودہ صدیوں کو یہ کہہ کر کہ ہمارے تمام بادشاہ، تمام علماء، محدثین و مفسرین، مصلحین، اولیاء (نعوذ باللہ شیخ صاحب کی ذہنیت کے لحاظ سے لٹیرے تھے) اور ان سب کے مقابلے میں رنجیت سنگھ اور مرزا قادیانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈلا بھٹی سچے ہیرو اور بڑے مقدس لوگ ہیں۔

پاکستانی قوم غلط حکومتوں اور غلط حالات سے دوچار رہنے اور اصل مقصد کو گم کر کے پست اور ادنی مقاصد میں برسوں مبتلا رہنے اور اخلاقی طور پر شدید و بازدہ ہونے کے بعد جس فرسٹریشن سے دوچار ہے، اسی کا نتیجہ ہیں علاقوں اور صوبوں کی علیحدگی اور علاقائی زبانوں کی برتری اور نسلی اہمیت کے نعرے۔ یعنی قوم نے دشمنوں کی خواہش اور کوشش کے مطابق اب افتراق و انشقاق کی راہ اختیار کر لی ہے اور خود ہی آپس میں ایک دوسرے کی تباہی کے سامان کر رہی ہے۔ کراچی کے رنجیدہ اور شرمناک واقعات و احوال اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ تفریق اور تعصب کے نعروں سے ایسے ہی تصادم جگہ جگہ پیدا ہوں گے اور زور پکڑیں گے۔

اگر حکومت کے پاس ان فتنہ ہائے ہلاکت کو روکنے کے لیے تحفظ پاکستان و نظریہ پاکستان کا کوئی قانون نہیں اور اب بھی کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا جس کے تحت فوجداری مقدمات چلائے جاسکیں، نیز اس جرأت مندانہ کام کے لیے فوری کارروائی کرنے کی جرأت نہیں تو کم سے کم ثقہ سیاسی لیڈروں، دینی عالموں، شرافت پسند اساتذہ، مسلم دانشوروں، خدا پرست ادیبوں، نیک نہاد طلبہ اور قومی ذرائع ابلاغ کے کارپردازوں میں سے جن کے ایمان و ضمیر زندہ ہوں وہ پیش آمدہ طوفان بلا کا اس شدت سے مقابلہ کریں کہ ان کی موجوں کے نہ صرف رُخ پھیر دیں، بلکہ نہ ولی خاں کو، نہ جی ایم سید کو، نہ الطاف حسین مہاجر کو اور نہ نصیر اے شیخ کو آئندہ اس کی جرأت ہو کہ وہ اسلام یا پاکستان یا نظریۂ پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کریں۔ پاکستان ایک زندہ قوم کا مُلک ہے، یہ پاگل خانہ نہیں ہے کہ اس میں بے تکی بولیاں بولی جائیں اور بے سُری آوازیں نکالی جائیں۔ اور دینی برتری، قومی وحدت، مُلکی سالمیت اور افراد کی شرافت کی دھجیاں بکھیرنے کی جرأت کی جائے ___ یہاں رسول پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے بعد اُمت کے جملہ ائمہ ہدایت، برصغیر کے حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، محمد علی جوہرؒ، قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور سید مودودیؒ کے افکار اور تعلیمات اور خدمات پر اگر کوئی خطِ نسخ کھینچنے کی کوشش کرے گا تو وہ نہ پاکستانی ہے اور نہ اس سرزمین کی کمائی کھانے اور اس کی ہوا میں سانس لینے کا اُسے حق پہنچتا ہے۔ وہ ہمارے دین، اور ہمارے بزرگان و اکابر اور ہماری تاریخ اور نظریہ پاکستان اور ریاست پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف جارحانہ جنگ کرتا ہے اور ہمارے ملی وجود کے خلاف چڑھائی کرتا ہے۔ اس شعور کے ساتھ ہر مسلمان کو اس کی حرکات و سکنات اور تحریر و تقریر کو دیکھنا چاہیے۔

آپ لوگ اپنے اس ذہنی تضاد کو نہیں زیر توجہ لاسکے کہ اس جوش و خروش سے پنجابیت کا علم اُٹھانے کے بعد آپ رسم الخط رومن سات سمندر پار سے مستعار لائیں گے۔ کیا وہاں بھی کوئی پنجابی ہی کا دوسرا خط ہے؟ غور فرمایئے کہ آپ کی ساری زندگی پر مغربیت کا تسلط ہے۔ آپ کے نظریات و تصورات، آپ کی سیاست، آپ کی صحافت، آپ کی معاشرت، آپ کی تحریک خواتین (یا مٹیار نرنجن) آپ کا قانون، آپ کا آرٹ، آپ کا لباس، آپ کی تقریبات اور تفریحات سب کچھ غیروں کا ہے۔ ایک بیرونی تہذیب کی سامراجیت کی گاڑی آپ کھینچتے پھرتے ہیں، اس کے بعد آپ اُردو بولیں تو کیا اور پنجابی یا سندھی بولیں تو کیا؟ کیا اس سے وہ سامراجیت کمزور پڑ جائے گی یا لسانی افتراق اور ساتھ ہی علاقوں کے ثقافتی افتراقات کے ساتھ اور بڑھے گی؟

ایسا مقابلہ کرنے کی قوت اُردو میں تھی، مگر اُردو کو تو ہمارے بڑوں کی غلامانہ ذہنیت نے اسے پست کر کے انگریزی کو اس کی گردن پر سوار کر رکھا ہے۔ اب ہماری نجات دہندگی کا جو کام وسیع سرمایہ رکھنے والی اُردو نہ کر سکی، اُسے کوئی علاقائی زبان کیا کرے گی، اُلٹا صیاد کے اقبال کے جال کے حلقے اور کس جائیں گے۔ آپ کی تو سرے سے توجہ ہی اس مسئلے پر نہیں کہ آپ پنجاب یا پاکستان کو مغرب کے فکری، ثقافتی اور تہذیبی پھندوں سے آزاد کرائیں۔ آپ تو صرف اُردو زبان سے آزادی کے خواہشمند ہیں۔ گویا اُردو سے آزادی کے ساتھ مغرب کی اور زیادہ کڑی غلامی ——— کیونکہ اُردو نے مغربی امپیریلزم اور مغربی تہذیب اور مغربی سامراج کے خلاف جو سرمایۂ فکر تیار کیا، اس کا عشر عشیر بھی کسی علاقائی زبان میں نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجابی؟ — مگر کون سی پنجابی؟ — پوٹھواری؟ ہندکو؟ دھنوچی؟ تیتے والی؟ گجراتی؟ لاہوری؟ سرائیکی، ملتانی؟

آج جس اصول کا نشہ آپ پیدا کر رہے ہیں، اُسی کی ترنگ جب بڑھے گی تو آپ دیکھیں گے کہ پنجابی کی ہر بڑی شاخ اپنے آپ کو علیحدہ کرنا چاہے گی۔ کیونکہ کچھ لوگوں کو لیڈرشپ اسی طرح مل سکتی ہے۔

چنانچہ سرائیکی کی علیحدگی کا آوازہ تو پہلے ہی اُٹھ چکا ہے۔ کسی قدر ملتانی کے لیے بھی ایسی ہی سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں، اگر دلِ صد برگ ہزارہ ہونے چلا تو کس دلیل سے روکیئے گا۔

آپ لوگوں نے کئی باتیں ایسی کہی ہیں جن کا تعلق لسانی مسئلے سے نہیں ہے۔ مثلاً علی عباس جلالپوری کا علاج حکومت کو کروانا چاہیئے، ڈاکٹر مبشر حسن کی اپنی حکومت نے بلوچوں پر ظلم کیا، ہر سال ۸ لاکھ پنجابی بچے اس لیے سکول چھوڑ جاتے ہیں کہ انہیں مادری زبان میں تعلیم نہیں دی جاتی۔ (اس قسم کا کوئی مطالبہ یا آوازہ پہلے تو کبھی نہ سنا تھا) وغیرہ۔

اِن میں سے ہم صرف ایک مبحث کو لینا چاہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ "مذہب کی بنیاد پر کوئی قوم نہیں بن سکتی"۔ تو پھر کس بنیاد پر بن سکتی ہے؟ آپ کہیں گے: زبان کی بنیاد پر! تو جناب سے سوال یہ ہے کہ ایک ہی زبان بولنے والے انگلستان میں سکاٹ لینڈ کی علیحدگی کی پُرہنگامہ تحریک برسوں سے کیوں چل رہی ہے؟ مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی کی زبان تو ایک تھی، مگر اب سفر متضاد سمتوں میں ہے۔ بنگلہ دیش اور مغربی بنگال کی زبان ایک ہے، مگر دونوں میں سخت عناد ہے۔

کہنا مجھے یہ ہے کہ سابق لمبی تاریخ پڑھنے میں آپ کو دشواری ہوگی، آج کی تاریخ یہ ہے کہ بھارت میں مسلمان مذہب کی بنیاد پر ایک جمعیت ہیں۔ اور ہندو ازم کے تعصب کا بھوت ان کو بودھوں کی طرح نگل لینا چاہتا ہے۔ مصر، سوڈان، نائیجیریا وغیرہ علاقوں میں عیسائی کمیونٹی مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان میں رکھ کر اپنا تسلط بڑھانا چاہتی ہے۔ شام میں اسلام کو مسخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنے والے دروزیوں نے سنی مسلمانوں کو کچلنے میں کئی برس سے بدترین مظالم کیے ہیں۔ روس اور یوگوسلافیہ اور ایسے ہی اور علاقوں میں مسلمانوں کو اسلام سے دور ہٹانے کے لیے مذہب کے خلاف جنگ جاری ہے۔ آسام اور برما سے خصوصاً مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے کسی دوسرے مذہب والے کو نہیں۔ فلسطین میں مذہب کی بنیاد پر ایک قوم اور ایک ریاست قائم ہے۔ فلپائن اور اریٹیریا جیسے ملکوں میں مسلمان ظلم سہتے سہتے آخر جانبازی پر اتر آئے اور اب ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں ملک میں سے ان کا حصہ الگ کر دیا جائے۔ مغرب والے جدید تحریکاتِ اسلام سے کیوں گھبرائے ہوئے ہیں اور ان پر کثیر لٹریچر کیوں شائع ہو رہا ہے۔ یہاں پاکستان میں ایک طرف قادیانی اقلیت ہے جو مذہبی دائرہ وسیع کر کے اور مختلف محکموں میں نفوذ پا کر یہاں کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی رہی ہے یا اثر انداز ہونے کی خواہش مند رہی ہے، دوسری طرف عیسائی مشن اور ان کی درس گاہیں اور ہسپتال ہیں جو تیزی سے ایک طرف ہمیں مغرب کی ثقافتی غلامی کی جھیل میں ڈبو رہے ہیں، دوسری طرف عیسائیت کے انجکشن لگا رہے ہیں، اور تیسری طرف ہماری آئندہ نسلوں کو ان کے عقیدوں اور مقاصد اور روایات و اقدار سے اکھیڑ رہے ہیں۔ یہ سب مذہبی ثافت ہے۔ اسرائیل اور بھارت اور روس کا پاکستان سے عناد اسی سبب سے ہے کہ:

"اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں"

دوسروں کے ہاں تو مذاہب ہیں جو اتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس "دین" ہے یعنی اسے عقائد، افکار، اخلاق، سیاست و معیشت اور قانون، اور اقدار کا ایک مکمل تہذیبی نظام کہنا چاہیے۔

ایسا نظام کسی لسانی یا علاقائی یا نسلی یا خاندانی نعرے کو سن کر دبک نہیں سکتا۔ وہ تو زور شور سے آگے بڑھے گا اور اس کی حمایت اردو والے بھی اور پنجابی والے بھی اور دوسری زبانوں والے نسلوں اور علاقوں والے بھی کریں گے۔

یہ "ماں سے بے وفائی" والی بات آپ نے کہاں سے اڑائی۔ قرآن کی کسی آیت میں ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کی کسی روایت میں ہے؟ ہمارے اکابر و اسلاف اور علماء و مفکرین اور اولیاء کے اقوال میں ہے؟

آپ جیسے حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھارتی علمِ صنمیات نے بہت سی ماؤں کا تصور انسان کو دیا ہے۔ بھارت بھی ماتا ہیں، گئو بھی ماتا ہیں، کالی بھی ماتا ہیں، چیچک بھی ماتا ہیں۔ پنجابی تہذیب میں بھی شاید ایسا کوئی علم صنمیات نہیں ہے۔ اگر وارث شاہ اور میاں محمد نے ماتا یا ماں کا تصور زمین یا وطن کو دیا ہے تو اگرچہ اسلام کے مقابلے میں وہ بھی سند نہیں، پھر بھی سامنے لائیے سلطان باہو، بلھے شاہ، شاہ مراد، اور دوسرے صوفیاء و مجذوب حضرات کا کلام بھی رکھا جائے۔

اسلام بتوں کے بھی خلاف ہے۔ صنمیات کے آئینے میں حقائق کو دیکھنے دکھانے کا طریقہ بھی اسے پسند نہیں، وطن یا قوم یا ملت یا خاندان میں سے کسی چیز کو اس نے انسانوں کے لیے ماں یا باپ قرار نہیں دیا۔ اور نہ ماں کے حقوق اس کے متعلق کیے ہیں۔

یہاں پھر بھارت کے مذہبی طرزِ فکر کی غلامی کی جا رہی ہے۔ آپ ہم پنجابیوں، خصوصاً مسلمانوں کو اس غلامی سے آزاد ہی رہنے دیں۔

جب آپ کسی نظامِ فکر میں "ماں" کا تصور لائیں گے تو پھر آپ کو کوئی باپ بھی تلاش کرنا ہوگا، بلکہ بھائی بہن بھی۔

بغیر سوچے انوکھی باتیں کہہ دینا کسی بھی تعلیم یافتہ آدمی کو زیب نہیں دیتا۔

دیکھیے نصیر اے شیخ صاحب و دیگر حضرات! اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کو امن و انصاف کیسے ملے، اس کے لیے دوسرا ضمنی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ انسان راستی، دیانت اور خدمت کا پیکر کیسے بنے؟ — اور یہ سوال تو آپ نے اٹھایا ہی نہیں۔

سوچیے کہ کیا یہ مطلوب انگریزی یا اردو یا سندھی یا پشتو بولنے سے حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے تو ایک ہی راستہ ہے کہ خدا کی کائنات میں اسی کو رب و الٰہ مان کر اس کے رسول کو رہبر تسلیم کیا جائے۔ اور اس کی کتابِ مقدس کو شمعِ ہدایت بنایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس طرح کا آدمی سرحد میں ہو یا پنجاب میں یا سندھ میں ـــــ انگلستان کا ہو یا جرمنی کا؟ فارسی بولے یا سواحلی، حبشی ہو یا رُومی، وہ سب ایک گروہ اور ایک پارٹی ہیں ــ سچائی، امن اور خدمت کے سپاہیوں کی پارٹی ـ اور جو لوگ اس راستے کے خلاف ہوں، وہ سب کے سب دوسری پارٹی ـ

براہِ کرم اس اصل مسئلے پہ آئیے جس کا حل دُنیا کو نہیں مِل رہا ـ

کیا وہ حل کسی خاص زبان کا بولنا ہے؟

(لطیفہ حکمتِ سید مودودیؒ)

کو کاٹ کھاتی ہو؟

جواب: جب آپ دیکھیں کہ بات کاٹ کھاتی ہے تو جان لیں کہ ایسی حالت میں بار بار اصرار کر کے بات کہنا اُلٹا ضد پیدا کرے گا ـ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر اسے سمجھایا جائے کہ تمہیں اپنے دین کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرنی چاہیے ـ یعنی آپ بات کو اس نکتہ سے شروع کریں کہ وہ دین سے آگاہ ہونے کی ضرورت محسوس کرے اور اگر وہ اس ضرورت کو محسوس کر لے تو اُسے دینی لٹریچر میں سے مناسب کتابوں کا مطالعہ کرائیں ـ محض زبانی بحث سے آدمی ضد میں مبتلا ہو جاتا ہے ـ جب وہ کسی وقت بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے پڑھتا ہے تو ـــ وہ ان چیزوں کو قبول کر لیتا ہے جنہیں وہ زبانی گفتگو میں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا ـ

ماخوذ از "ذکریٰ" رام پور انڈیا ـ

© rasailojaraid.com